حکمت و عبرت

ڈاکٹر اسرار احمد

ماہِ نومبر ہمارے ملک میں علامہ اقبالؒ کے یوم پیدائش کی مناسبت سے تقریبات اور مجالس کا مہینہ ہوتا ہے جس میں سرکاری اور نجی ہر سطح پر شاندار اور نسبتاً چھوٹے پیمانوں پر جلسوں اور محافل کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ آیا ہمارے دین میں پیدائش یا وفات کے دن منانے کا کوئی جواز ہے یا نہیں، ان مجالس کی افادیت اس اعتبار سے بہرطور مسلّم ہے کہ ان کے ذریعے علامہ اقبال کے افکار کی علمی سطح پر نہ سہی، کم از کم عوامی سطح پر تشہیر ضرور ہوتی ہے اور سرکاری و نیم سرکاری ذرائع ابلاغ عامّہ سے ان کے دینی، ملّی اور فلسفیانہ فکر کے بہت سے گوشے نمایاں کئے جاتے ہیں۔ راقم الحروف کو بھی اس سال ان میں سے چند تقریبات میں حصّہ لینے کا موقع ملا۔ ۹ نومبر کو مرکزیہ مجلسِ اقبال کے زیرِ اہتمام ہونے والے جلسے کا کارڈ مجھے اقبال اکیڈمی کے توسط سے ملا تھا۔ چونکہ اس مجلس میں صدرِ پاکستان، گورنر پنجاب اور متعدد وزراء نے جلسے کو رونق بخشنی تھی اس لیے سیکیورٹی کے پیشِ نظر داخلہ بذریعہ کارڈ (دعوت نامہ) ہی ہو سکتا تھا۔ سالِ گذشتہ کی طرح اس سال بھی یہ تقریب الحمرا آرٹ کونسل کے وسیع آڈیٹوریم میں منعقد ہوئی۔ ایک زمانے میں یوم اقبال پر مرکزیہ مجلسِ اقبال کا یہ جلسہ ہر لحاظ سے شاندار، بلند پایہ اور پروقار ہوا کرتا تھا۔ لیکن ادھر کچھ برسوں سے اس میں سرکاری عمل دخل بڑھتا جارہا ہے جس سے اس کی علمی حیثیت یقیناً متاثر ہوئی ہے اور درویشانہ رنگ کی بجائے تکلّف و اہتمام اور درباری طمطراق نمایاں ہونے لگا ہے۔ میری اس اجلاس میں شرکت صرف ایک عام سامع کی حیثیت سے تھی۔ بہت سے مقالات اور تقاریر میں سے "سفیرِ اقبال" جناب پروفیسر مرزا محمد منوّر کی تقریر اور "مدیرِ تکبیر" جناب صلاح الدین اور ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ کے مقالات یقیناً بہت فکر انگیز تھے اور سامعین کے جذباتِ ایمانی کی افزونی کا باعث بنے ہوں گے۔

© rasailojaraid.com

پروفیسر مرزا محمد منوّر صاحب کی سفارتِ اقبال کا حلقہ پہلے ملک گیر تو تھا ہی، اب وہ بیرونِ پاکستان بھی مصروفِ عمل ہے۔ پچھلے سال قاہرہ اور اب نومبر میں دمشق کے کئی مقامات کی یونیورسٹیوں اور متحدہ امارات میں پروفیسر صاحب نے فکرِ اقبال کو علمی حلقوں میں روشناس کرانے میں اہم حصّہ ادا کیا ہے۔ اگرچہ محمد اقبال عرب ممالک میں متعدد تراجم کی وجہ سے اب جانا پہچانا نام ہے لیکن اس طرح کی علمی مجالس اور اس میں پاکستانی سکالرز کی نمائندگی اور بالخصوص پروفیسر صاحب جیسی مسلّم اور اعلیٰ فکری و ادبی شخصیتوں کی شمولیت ہر لحاظ سے مفید اور مؤثر رہتی ہے۔

پروفیسر مرزا محمد منوّر صاحب کی تقاریر کا ایک پہلو جو مجھے متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتا وہ ان کی اسلام، پاکستان اور عالمِ اسلام کے بارے میں امید اور رجائیت پسندی کی روش ہے ۔

مذکورہ بالا مجلس میں بھی جب پروفیسر صاحب نے کنفیڈریشن کی بات کی (جو وطنِ عزیز کی موجودہ سیاسی صورتِ حال اور ملکی سالمیت کے دشمنوں کے حوالے سے ایک چونکا بلکہ سہما دینے والا لفظ ہے!) لیکن اسے پاکستان، افغانستان اور مسلم وسطی ایشیائی خطّوں کے اتّحاد کے لئے استعمال کیا تو ایک لمحے کے لئے پورے مجمع پر مسرّت و انبساط کی لہر دوڑ گئی۔ اسی طرح متعدد خطبات اور تقاریر میں میں نے پروفیسر صاحب کو ایک حدیثِ رسولؐ کا حوالہ دیتے سنا ہے کہ ۔

" اِتَّقُوا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِن فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہ " ۔ مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ پروفیسر صاحب کے یہ خیالات عالیہ سننے کے بعد کم از کم میرے ذہن میں یہ سوال ضرور ابھرتا ہے کہ کاش وہ ایک لمحے کے لئے موجودہ مسلمانوں اور بلادِ اسلامیہ کی حالت پر واقعیت پسندانہ نگاہ بھی ڈال لیں اور پھر عملاً ان بلند بانگ دعاوی اور مستقبل کی ان خواہشات کو حقیقت کا روپ دینے کی کوشش کریں ۔

حدیثِ رسول صلعم کے بارے میں ہمارا ایمان ہے کہ وہ غلط نہیں ہو سکتی لیکن اس کو کسی مجمع میں پیش کرنے کا اصل فائدہ تب ہی ہے کہ سامعین پر حقیقی مومن ہونے کے اوصاف واضح کیے جائیں اور ایمان کے مقتضیات کو کماحقہٗ پورا کرنے کے لیے عمل پر ابھارا جائے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ صرف خوش فہمی اور خوش عقیدگی سے مسائل کبھی حل نہیں ہوتے اور ٹھوس حقائق و واقعات آرزوؤں اور تمناؤں کا منہ چڑاتے رہتے ہیں ۔

d.com

۹ نومبر کی رات کو سوا نو بجے ریڈیو پاکستان لاہور سے کتابوں پر تبصرے کے پروگرام میں پروفیسر مرزا محمد منور صاحب کی کتاب Dimensions of Iqbal پر تبصرہ نشر کیا گیا جو میں نے دو روز قبل ریکارڈ کرایا تھا۔ یہ کتاب اہم موضوعات پر انگریزی میں پروفیسر صاحب کے چند مقالات کا مجموعہ ہے جن کی انہوں نے فکرِ اقبال کی روشنی میں تشریح و توضیح کی ہے۔ راقم الحروف شعبۂ فلسفہ (پنجاب یونیورسٹی) میں طلبا کی علمی اور سوشل سرگرمیوں کا انچارج ہے۔ چند طلبا و طالبات نے علامہ اقبال پر ایک پروگرام شعبہ میں منعقد کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ انہیں مناسب ہدایات دی گئیں۔ معلوم ہوا کہ طلبا میں سے چند نے اس کی مخالفت کی۔ ان کا خیال تھا کہ اقبال کوئی اتنا اہم مفکر نہیں ہے کہ اس پر شعبۂ فلسفہ میں کسی تقریب کا اہتمام ہو۔ جیسا کہ میں سطور ذیل میں قدرے تفصیل سے عرض کروں گا، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبا کے ایک گروہ میں یہ فکر بعض اہم دانشوروں کی تحریروں کے زیرِ اثر جڑ پکڑ رہا ہے جن میں اقبال کو ندرتِ فکر سے تہی دامن اور مفکر کی بجائے روایتی مذہب کا حامی قرار دیا جاتا ہے۔ یا بعض دوسرے ترقی پسند شعرا اور اہلِ قلم مثلاً فیض احمد فیض کے مقابلے میں کمتر حیثیت کا شاعر ثابت کیا جاتا ہے۔ اس طرح کا ایک بہت بھونڈا تقابلی مطالعہ پچھلے دنوں لاہور کے ایک فائیو سٹار ہوٹل میں پر ہجوم تقریب کے سامنے ہمارے ملک کے ایک چوٹی کے دانشور پروفیسر کرار حسین نے پیش کیا۔ جسے ایک مخصوص حلقے میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی اور ظاہر ہے کہ اس قبیل کے خیالات کا اثر اوپر کی سطح سے نیچے اتر کر طلبا تک بھی پہنچتا ہے جن کی تنقیدی صلاحیت ابھی ناپختہ ہوتی ہے اور وہ صرف "بڑے ناموں" سے متاثر ہونا جانتے ہیں۔ بہر حال ۲۰ نومبر کو شعبے میں مذکورہ بالا نشست منعقد ہوئی۔ شعبۂ فلسفہ کے علاوہ یونیورسٹی کے دوسرے شعبوں سے بھی تیرہ چودہ طلبا اور طالبات نے علامہ اقبال اور ان کے فکر و فن کے مختلف پہلوؤں پر اپنی تحریریں سامعین کے سامنے پیش کیں۔ افسوس ہے کہ ان میں سے اکثر کا علمی معیار بہت پست تھا لیکن طالب علموں کی کوشش کے اعتبار سے بہر حال انہیں سراہا گیا۔

۲۷ نومبر کی سہ پہر لاہور میوزیم کے زیرِ اہتمام اقبال کے یوم پیدائش کے سلسلے میں ایک

© rasailojaraid.com

نشست کا اہتمام کیا گیا۔ اس میں دو تقاریر ہوئیں ایک پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج کے شعبہ اردو کے پروفیسر اور سربراہ جناب ڈاکٹر خواجہ محمد ذکریا کی اور دوسری راقم الحروف کی۔ یہ تقریریں میں نے مختصر نوٹس کی مدد سے کی تھی۔ انشاء اللہ عنقریب اس تقریر میں پیش کئے گئے خیالات کو بالتفصیل احاطۂ تحریر میں لاؤں گا۔ سرِ دست اس کے اہم نکات مختصراً ہدیۂ قارئین کر رہا ہوں:

اقبال اور فکرِ اقبال کے ضمن میں ہمارے ہاں دو مختلف نقطۂ نظر پائے جاتے ہیں ـــــ دانشوروں اور اصحابِ قلم کا ایک گروہ وہ ہے جو اقبال دشمنی پر ادھار کھائے بیٹھا ہے اور اقبال کو سو فیصد رجعت پسندی کا نمائندہ قرار دیتا ہے۔ اس فکر کے لوگ بالعموم سرکاری اور نیم سرکاری سرپرستی میں ہونے والی مجالس اور جملہ نشر و اشاعت سے لاتعلق رہتے ہیں۔ تند و تلخ منفی تنقید اور سب و شتم کے علاوہ ان کے ہاں اور کچھ سننے یا پڑھنے کو نہیں ملتا۔ مجھے بعض ایسی مجلسوں میں جانے کا موقع ملا ہے جہاں اس قسم کے حضرات اپنی عام گفتگو میں تمام اخلاقی حدود کو پامال کرتے ہوئے فریقِ مخالف کے لئے فحش گوئی اور گالیوں تک کا استعمال کھلے بندوں کرتے ہیں۔ اگر اس گروہ کے منفی رویّے کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو اس کے پس منظر میں دو عوامل کارفرما نظر آتے ہیں۔ اوّلاً یہ کہ اُن میں سے اکثر نظریاتی طور پر ملحد اور دہریت یا مارکس ازم کے علمبردار ہیں۔ اور جب وہ دیکھتے ہیں کہ اقبال اپنے فکر اور شاعری میں ہر جگہ قرآن، رسول، معاد اور آخرت کی بات کرتے ہیں تو سوائے مخالفت اور الزام تراشی کے اُن کی طرف سے کسی اور رویّے کا اظہار نہیں ہوتا۔ ان کا صحیح طرزِ عمل یہ ہونا چاہیئے تھا کہ وہ علمی انداز میں اور "بیّنہ" اور "بُرھان" یعنی واضح دلیل کے ذریعے اقبال کے قرآنی معتقدات کا مقابلہ کرتے۔ لیکن ان میں سے شاید ہی کسی نے اس کی ہمت یا جرأت کی ہے۔ اقبال دشمنی میں دوسرا کارفرما عنصر خالص نفسیاتی نوعیت کا ہے۔ اقبال کا فکر اتنی بلندی اور رفعت کا حامل ہے اور اس کا شاعرانہ کلام اتنے ادبی محاسن کا مرقّع ہے کہ آج کے دانشوروں، شعراء اور اہلِ قلم کی اکثریت اپنے آپ کو ان کے مقابلے میں بہت پست اور کم حیثیت پاتی ہے۔ چنانچہ وہ بالعموم حسد کا شکار ہو کر ذاتی سطح کی عیب جوئی اور

d.com

تنقیص پر اتر آتے ہیں۔ انہی دونوں عناصر کا ملغوبہ پروفیسر کرار حسین کا وہ مقالہ ہے جس کا حوالہ میں نے سطور بالا میں دیا۔ اس میں آپ کو کہیں بھی سنجیدہ اور علمی تنقید اور دلیل نہیں ملے گی بلکہ تنقیص اور تعییب کا انتہائی بھونڈا انداز اختیار کیا گیا ہے۔

دوسرا گروہ ان اسلام پسند لیکن جدیدیت کے دلدادہ لوگوں کا ہے جو اسلام کا لیبل تو اپنے اوپر سے ہٹانا نہیں چاہتے بلکہ اپنے موروثی اسلام کا اعلان ببانگ دہل کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی نظریاتی طور پر اس حد تک جدیدیت، مغربی طرز فکر اور روش حیات کے قائل ہیں کہ عصری تقاضوں کی آڑ میں وہ اسلام کے اساسی قوانین اور تہذیبی ڈھانچے تک میں تبدیلی کے قائل ہیں۔ اور وہ اس کی دلیل خود اقبال کے الفاظ میں پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اقبال ایک ساکت و جامد مذہب کا نہیں بلکہ متحرک اور ترقی پذیر اسلام کا قائل تھا چنانچہ ان حضرات کا سلوگن " اقبال سے آگے " (Forward from Iqbal) یا " Beyond Iqbal " ہے۔ اس ضمن میں یہ حضرات علامہ اقبال کی " تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ " کے پیش لفظ میں موجود ان سطور کا حوالہ بکثرت دیتے ہیں:

> " فلسفیانہ غور و تفکر میں قطعیت کوئی چیز نہیں۔ جیسے جیسے جہاں علم میں ہمارا قدم آگے بڑھتا ہے اور فکر کے لئے نئے نئے راستے کھل جاتے ہیں، کتنے ہی اور، اور شاید ان نظریوں سے جو ان خطبات میں پیش کئے گئے ہیں، زیادہ بہتر نظریئے ہمارے سامنے آتے جائیں گے۔ ہمارا فرض بہرحال یہ ہے کہ فکر انسانی کے نشو و نما پر باحتیاط نظر رکھیں اور اس باب میں آزادی کے ساتھ نقد و تنقید سے کام لیتے رہیں۔ "
>
> (ترجمہ: سید نذیر نیازی، صفحہ: ۴)

اسی طرح ان دانشوروں کی طرف سے " تشکیل جدید " کے چھٹے خطبہ بعنوان " اسلام کی ترکیب یا ہیئت ترکیبی میں حرکت کا اصول " یا بالفاظ دیگر " الاجتہاد فی الاسلام " کا چرچا تو بہت زور شور سے کیا جاتا ہے لیکن اسلام کی اجتہادی اور تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لئے مفکرین اور علماء کو علم کے کس درجے اور ذہن و قلب کی کن صفات سے متصف ہونا چاہئے، اس کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام معاشرے میں

© rasailojaraid.com

جمود، اندھی تقلید اور ٹھہراؤ کو تکلیف دہ باتیں گردانتا ہے لیکن ان سب میں ایک گونہ شدت اس وقت پیدا ہو جاتی ہے جب نام نہاد پروگریسو اور مخالف قوتیں اجتہاد کے نام پر انقلاب و تبدیلی کے اس موڑ تک بڑھ آئیں کہ جہاں مسلمات، اصول اور پختہ و مستند روایات کی دیواریں ایک ایک کر کے گرنے لگیں۔

جدیدیت پسند دانشوروں کی "اقبال سے آگے" (Beyond Iqbal) پالیسی اور نظریات کا نتیجہ عملاً ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبا پر بالعموم یہ مترتب ہوا ہے کہ وہ اب اقبال کو سرے سے درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔ اور آگے یا نئی تعمیر کی خام سوچ اور فکر انہیں ان مسلمات سے بالکل غافل کئے دے رہی ہے جن پر اقبال نے انتہائی جامعیت گہرائی اور عارفانہ انداز میں کلام کیا ہے۔ کیا اس حقیقت سے کوئی انکار کر سکتا ہے کہ جہاں تک دینِ حق کے اسرار و رموز اور حقائق و معارفِ ایمانی اور علم و حکمتِ قرآنی کا تعلق ہے علامہ مرحوم کو رومی ثانی کہا جا سکتا ہے۔ روحِ دین کی تشریح و تعبیر جس گہری بصیرت، سلاست اور شگفتگی کے ساتھ اقبال نے کی ہے اس کی نظیر مشکل ہی سے پیش کی جا سکتی ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار اس اعتبار سے حد درجہ اہم ہیں:

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

اور

شوق اگر ترا نہ ہو میری نماز کا امام
میرا سجود بھی حجاب میرا قیام بھی حجاب

اسی طرح

تجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

یا

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

علامہ اقبال کا قرآن کے ساتھ تعلق اظہر من الشمس ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں:

گر دلم آئینہ بے جوہر است
ور بحرفم غیرِ قرآں مضمر است
پردۂ ناموسِ فکرم چاک کن
ایں خیاباں را ز خارم پاک کن

روزِ محشر خوار و رسوا کُن مرا بے نصیب از بوسہ پا کُن مرا

واقعہ یہ ہے کہ اقبال کے ساتھ قرآن کا تعلق خود عظمت و اعجازِ قرآن کا ایک بین ثبوت ہے۔ اقبال، جس نے وقت کی اعلیٰ ترین سطح پر مشرقی و مغربی علوم پڑھے، قدیم و جدید سب کا مطالعہ کیا ـــــ لیکن جب بالآخر اس کے ذہن کو سکون و اطمینان ملا تو صرف قرآن حکیم سے، اور علم کی پیاس بجھی تو صرف کتاب اللہ سے۔ گویا بقول خود اُن کے ؎

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں!

علامہ اقبال نے اساساتِ دین کا گہرا اور پُر بصیرت شعور جس طرح مسلمانوں کی آئندہ نسل کو منتقل کرنے کی کوشش کی ہے، تعلق مع اللہ، حُبِّ رسول اور عبادات کی رُوح کو جس طرح واضح کیا ہے اور پھر نظامِ دین کی توضیح و تفسیر کے ضمن میں وحدتِ خالق، وحدتِ انسانیت، انسانی حرّیت، اخوّت و مساوات اور اسلامی سیاسی و معاشی تصوّرات کو جس حکیمانہ پیرائے میں بیان کیا ہے، ہماری نئی نسل کو ان سے رُوشناس کرانے کی شدید ضرورت ہے۔ اگر وہ ان تمام موضوعات پر علامہ اقبال کے خیالات سے کماحقہٗ واقف ہوں تو مجھے یقین ہے کہ انہیں یہ بات کہنے میں باک نہ ہوگا کہ اقبال سے زیادہ پروگریسو خیالات انہیں کہیں نہیں مِل سکتے۔ تعمیرِ نَو محکم اساسات پر ہی واقعی اور حقیقی ہوتی ہے۔ چنانچہ الٰہیات اور بعض قانونی و فقہی معاملات کے علاوہ جہاں واقعتاً مسلسل غور و تفکر اور اجتہادی حرکت کی ضرورت ہے ہمیں اقبال کی تعلیمات اور افکار کو اَز سرِ نو پڑھنے اور اپنے اندر جذب کرنے کی طرف متوجّہ ہونا چاہیے۔ فکر کی دنیا میں اقبال کو حرفِ آخر نہ سمجھتے ہوئے بھی تجدید و احیائے اقبال وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ "اقبال سے آگے" (Beyond Iqbal) کی یک رُخی دانشورانہ روش میں فکرِ اقبال کی کُلّی تفہیم و انجذاب سے اعتدال پیدا کیا جانا چاہیے ہمارے ہاں علمی سطح پر موجود کنفیوژن صرف اسی طرح ختم ہو سکتا ہے کہ صحت مند اجتہاد اور فکرِ نَو کے ساتھ ساتھ "محکماتِ اقبال" کو بھی اُجاگر کیا جائے اور فکرِ اقبال کی دریافتِ نَو ("REDISCOVER IQBAL ـــــ") کی مہم کو قومی سطح پر خلوص اور عزم و ارادہ کے ساتھ شروع کیا جائے۔

© rasailojaraid.com